دکنی اُردو غزل کے اسالیب - ولی دکنی تک

*ڈاکٹر روبینہ ترین / کاشف عمران**

Abstract:

Deccan has been a center of Indo-Muslim culture during last seven centuries. So, the last manifestation of this culture-language of Urdu-holds and preserves the early and significant traits of creative genius of this land under the Patronage of Nizam (ruling family of the Muslim State of Deccan till Police action of India) and the scholars and researchers like Molvi Abdul Haq, Mohi-ud-Din Qadri, Naser-ud-Din Hasmi and Abdul Qadir Sarwar serving this state had dug out many manuscripts of early poets, Sufis and writers. They have edited and constructed evidences for the tradition of Urdu poetry and Prose in South India. in this article out of this rich tradition, Ghazal of Poets of Deccan has been viewed based upon research and critical approach. It has also been established in this article that jos genre of poetry, though borrowed from Persian poetry had the tinge of Lyrics and Rhymes of this Land.

اُردو ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے بجا طور پر دکن کو اُردو شعر و ادب کا ابتدائی مرکز قرار دیا گیا اگرچہ اُردو کی اولین نثری تصنیف کے بارے میں محققین کے درمیان آج بھی اختلاف ہے تاہم جن تصانیف کا بھی ذکر کیا جاتا ہے ان کا تعلق دکن سے ہی ہے۔ اسی طرح اُردو کے اوّلین صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے ساتھ ساتھ اولین صاحبِ دیوان شاعرہ لطف والنساء امتیاز (۱) کا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے۔ دکن میں بہمنیہ عہد کے خاتمے سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی کچھ صوفیا کرام کی بدولت اور کچھ تخلیقی ہنر رکھنے والوں نے کہیں پند و نصیحت اور اخلاقی موضوعات پر اور کہیں عشق و محبت کی رنگین داستانوں کو منظوم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی بہمنی دور میں یعنی پندرہویں صدی عیسوی

* چیئر پرسن شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** پی ایچ۔ ڈی۔ سکالر شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

سے ہی دکن میں علم وادب کی ابتداء ہوئی۔اس دور کی تصانیف زیادہ تر مذہبی ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔اس دور کے اہم شعراء میں خواجہ گیسو دراز بندہ نواز اُن کے فرزند محمد اکبر حسینی، شمس العشاق شاہ (و:۱۴۹۶) میراں جی، حسن شوقی، نظامی وغیرہ مقبول ہوئے۔بہمنی بادشاہ بڑے ادب نواز تھے جس کی وجہ سے دور دراز سے اہلِ علم، شعراء وادباء دکن آ گئے۔بہمنی حکومت کو زوال (۱۴۹۰ء) آیا تو یہ سلطنت پانچ آزاد ریاستوں میں بٹ گئی جو بعد میں تین ریاستوں یعنی احمد نگر، بیجا پور اور گولکنڈہ میں بدل گئیں۔احمد نگر میں نظام شاہی سلطنت، بیجا پور میں عادل شاہی اور گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت قائم ہوئی۔(۲) موخر الذکر دو سلطنتوں کی ادب نوازی نے اُردو زبان وادب کے فروغ وارتقاء میں اہمیت حاصل کی۔ان کے یہاں ایک طرف صوفیا کرام اور دوسری جانب سرکاری سرپرستی میں دربار سے وابستہ شعرا نے تخلیقی جوہر دکھائے۔اس سے قبل شعراء جو قصیدہ اور مثنوی کے ادب میں خارج کی دنیا کا نقشہ کھینچتے دکھائی دیتے تھے اب اس سے قطع تعلق کر کے اپنے من کی دنیا میں ڈوبنے لگے۔اس طرح داخلی سوز وگداز اور واردات وکیفیات کا سلسلہ شروع ہوا۔

بیجا پور کی عادل شاہی حکومت علماء وفضلا، شعراء وادبا کی از حد قدردان تھی جبکہ گولکنڈہ کے شاہان نہ صرف خود بھی شعراء اور عالم وفاضل تھے بلکہ ان کے دربار سے بھی کئی شاعر وابستہ تھے۔دکنی شاعری میں یہ دور اگرچہ مثنوی کا ہے مگر غزلیات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ملتا ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں۔صرف غزل لکھنے والے شعراء بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے مثنوی نگاری میں شہرت پائی مگر ان کی مثنویوں میں جگہ جگہ غزلیں شامل کی گئیں۔
ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

> ''امیر خسرو کے بعد جب ریختہ خانقاہ سے نکل کر دکن کے شاہی دربار میں پہنچا تو طرزِ ادا، طرزِ فکر اور موضوعات میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔اسی دَور میں منظّم طور پر صنف غزل فارسی سے اُردو میں منتقل ہوئی۔دکنی شعرا نے اپنے ماحول اور اپنی مخصوص معاشرت میں اِس کے ڈھانچے اور اِس کی تکنیک کو نیا مزاج دیا۔ایرانی شاعروں کی آواز میں دکنی شاعروں نے اپنی آواز شامل کر دی اور کچھ اِس طرح کہ دونوں آوازوں کے ملنے سے ایک نئی لَے پیدا ہو گئی اور غزل کو نیا لب ولہجہ، نیا رنگ اور نیا آہنگ ملا۔خسؔرو، حسؔن اور باجنؔ سے جو غزلیں منسوب کی جاتی ہیں اُن میں زیادہ تر متصوفانہ تصورات کی پیشکش کی گئی تھی لیکن دکن کے غزل گو شعراء محمد قلی قطبؔ شاہ، وجہؔی، شاہؔی، محمد قطب شاؔہ، غواصؔی، نصرتؔی، شوقؔی، ابوالحسن تانا شاہ اور طبعؔی کے یہاں مضامین کا تنوع اور جذبات واحساسات کی رنگارنگی موجود ہے یہ ایک طرح سے غزل کے لیے نئی وسعتیں حاصل کرنے کا دَور تھا۔''(۳)

اس دور کی غزل کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس دور میں مذہبی اثر کے تحت عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

۲۔ غزلیات پر ابتدائی طور پر برج بھاشا اور پنجابی زبانوں کا زیادہ اثر ہے مگر ولی تک آتے آتے اردو غزل پر فارسی کا غلبہ ہو گیا۔

۳۔ دکن میں لکھی جانے والی غزلیات میں غم و درد کی وہ شدید لہر نہیں جو بعد میں آنے والے دہلوی دور کا خاصا ہے۔داخلیت کم کم ہے جبکہ خارجیت کا غلبہ ہے کیونکہ یہ دور حقیقتاً مثنوی کا دور ہے۔اس کے علاوہ مرثیہ اور قصیدہ بھی لکھا گیا۔

۴۔ مسلسل غزلوں کا رجحان بہت ہے اوران غزلوں میں مقامی تہذیب کا رنگ جھلکتا ہے۔

۵۔ ابتدائی دور میں غزلیات میں ہندی تلمیحات کی کثرت ہے،خصوصاً محبوب کے لیے سجن،موہن،پیتم، پی، سندر، پیّا کی طرح کے الفاظ استعمال کیے گئے اس کے علاوہ سورج مکھی، رام، کرشن، پچھمی ایسے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔

۶۔ فارسی بحروں کے ساتھ ہندی بحریں مستعمل ملتی ہیں۔مشکل عربی وفارسی قواعدوتراکیب کی بجائے آسان ہندی تراکیب بھی ہیں۔مرکب تراکیب بھی وضع کی گئیں جن میں عربی فارسی و ہندی تراکیب کو ملا کر نیا تجربہ کیا گیا۔

۷۔ املا کو صوتی حوالے سے پیش کیا گیا مثلاً صُبا (صبح)، وضا (وضع)، اندیشا (اندیشہ)، علاوہ ازیں ہمن (ہمنا) اور تمن کے الفاظ مستعمل ہیں۔

سے کی جگہ سوں، لگا کی جگہ لاگا، ہات (ہاتھ)، تج (تجھ)، کہا کی جگہ کہیا، بہت (بہوت، بھوت)، سچ کی جگہ ساچ، مجھ کی بجائے مُنج لکھا گیا۔

بولیا کہ تج فراق تھے کئے عاشقاں خراب
بولی میرے وصل منے کیا تج ہے حال بول

دلا منگ خدا کن کہ خدا کام دوے گا
تمن کی من کے مراداں کے بھرے جام دویگا

دو عالم کے دوارے کھلے ہیں عیش کے خاطر
جے کوئی بنی نام سوں دل رام دویگا
(قلی قطب شاہ)

۸۔ عشق کی ہندی روایت کو اپنایا عموماً عشق کا عورت کی طرف سے اظہار ملتا ہے۔ تذکیر و تانیث کی تمیز بھی نہیں ہے۔ نیز ہندی و فارسی روایت کو یکجا کر دیا ہے۔

سیّد رفعت مبارز الدین اس شعری روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس دور کے شعراء کی غزل گوئی میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعد کی اردو شاعری کے برخلاف اس میں محبوب مذکر نہیں باندھا گیا ہے یا تو ہندی شاعری کی طرح اس میں اظہارِ عشق کی عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور عورت محبوب۔ یہ دونوں حالتیں فطری ہیں۔ بعد کے دَوروں میں فارسی کی پیروی میں محبوب کو مذکر باندھنے کا جو غیر فطری رواج چل پڑا، وہ اس دور کے ادب میں ڈھونڈے سے کہیں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح غزلوں میں محبوب ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس کوئی بے باک، لڑاکا اور خونخوار ترک نہیں، ہندوستانی لباس، ہندوستانی سنگھار اور ہندوستانی گہنوں سے آراستہ شرمیلی الّھڑ ہندوستانی نازنین ہے۔''(۴)

دکنی غزلوں کا بڑا موضوع عشق ہے اور اس میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں ہیں اکثر جگہوں پر عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک پہنچا جاتا رہا۔ عشقِ مجازی کی بات بھی کی تو اس میں گہرائی نہیں۔ شاعر سیدھی سادھی عشقیہ باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مثال میں عبداللہ قطب شاہ کے اشعار دیکھئے:

تو پیارا عشق بھی تیرا ہے پیارا
لگتا ہے بھوت تج سون دل بچارا
سکھی آمل کہ تل تل ذوق کرلیں
دُنیا میں کوئی نئیں آیا دوبارا
سکھی کچ بھی سمج توں دِل میں اپنے
کِتا منت کرے عاشق بچارا
تجے چاند ہور تارے سوں غرض کیا
تو آپیچ چاند ہے آپیچ تارا

دکنی غزل میں عشقیہ موضوعات کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''زبان کی طرح غزل بلحاظ مضمون اور طرزِ ادا بھی فارسی اثرات سے بیگانہ نظر آتی ہے اس کا اندازہ محض استعارات یا تشبیہات ہی سے نہیں بلکہ عشق اور محبوب سے وابستہ تصورات و کیفیات سے بھی ہوتا ہے۔ اس غزل پر ہندی شاعری اور بالخصوص ہندی گیت کے اثرات نمایاں تر ہیں۔

ہندی گیت میں رادھا کرشن کے پریم نے جذبہ کا رس ہی پیدا نہ کیا بلکہ عشق کی اس روایت کو جنم دیا جس کے تحت عورت عاشق ہے اور مرد ہرجائی محبوب۔ دکنی غزل میں مرد عشق میں صحرانوردی نہیں کرتا بلکہ عورت جوگن بن کر بن بن گھومتی ہے۔''(۵)

دکن میں ابتدائی دور کے بہمنی شعراء میں حسن شوقی کو مثنوی کے علاوہ غزل گو شعراء میں بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ حسن شوقی کے بارے میں وقار خلیل لکھتے ہیں:

''بہمنی دور کے پورے غزل گو شاعر حسن شوقی کی غزل نے خیال، اسلوب، لہجے اور طرزِ ادا میں فارسی غزل کی اتباع میں عشقیہ جذبات اور سوز وساز کو دکنی غزل کے مزاج کا حصہ بنا دیا ہے۔ چار سو سال پہلے غزل کے اس رویے میں بہمنی عہد کا دبستانِ سخن روشن تھا جس کے فراز پر بعد کو ولی کی غزلیہ شاعری نظر آتی ہے۔''(۶)

نمونۂ کلام دیکھئے:

شوقی کی پیاری ہنس ہنس کہے سو ناری
افضل غزل تمہاری جوں سور ہے گگن میں

حسن شوقی کے ہمعصر شاعر فیروز کی غزلوں میں گیتوں کی سی مٹھاس کا احساس سب کو متاثر کرتا ہے۔ فارسی اسلوب کے ساتھ پنجابی لہجہ اور الفاظ کا خوشگوار امتزاج اس کی غزلوں کا نمایاں وصف ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

سنگار بن کا سرو ہے سو خط ترا اے شبہ پری
مُکھ پھول تے نازک دِسے تو حور ہے یا استری

اسی دور کے دو اور شعرا سیّد محمود اور ملا خیالی کا نام بھی غزل گوئی میں اہم ہے۔ سیّد محمود کا کلام ملاحظہ ہو:

جو کوئی تمہارے عشق کی حال ستی ماہر ہوا
چھوڑیا شکل اسلام کوں تج زلف میں کافر ہوا
ظاہر گنگا کے جل ستی نہانا سو کچھ نہیں اے برہمن
خونِ جگر کے تیرے سوں نہایا سو وہ طاہر ہوا

ملا خیالی کا کلام ملاحظہ ہو:

یہ بول بولتا ہوں موتی سوں رولتا ہوں
امریت گھولتا ہوں کھٹ دودھ کے انجن میں

'پرت نامہ' کے خالق قطب الدین فیروزؔ بھی غزل کے اچھے شاعر تھے۔ پرت نامہ میں فیروزؔ کے مرشد مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم زندہ نظر آتے ہیں اور اُن کا انتقال ۱۵۶۴-۹۷۳ھ میں ہوا تھا اس لیے 'پرت نامہ' کو اس سے قبل کی تصنیف ہونی چاہیے۔ فیروز کے کلام میں بلا کی روانی اور شاندار تغزل موجود ہے جو زبان کی قدامت کے باوجود دل کو کھینچتا ہے:

یا قوت تے سرنگی دو لعل ہے ادھر تج
کیونکہ عقیق ہوں گے اس رنگ کے چمن میں

اِس شعر میں فیروزؔ محبوب سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ تیرے ہونٹ دو ایسے لعل ہیں جن کی سرخی یاقوت سے بھی بڑھ کر ہے تو اس رنگ کے عقیق چمن میں کیسے پائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شعر دیکھئے:

تیری کمر کے ہاوے سکھ سکھ ہوا جو دبلا
جیوں تار پیرہن کا یہ تار پیرہن میں

سیّد محمودؔ، مشتاقؔ، لطفیؔ، فیروز شاہ فیروزیؔ، قطب الدین فیروزؔ اور ملا خیالیؔ جیسے اوّلین غزل گو جن کا کلام امتدادِ زمانہ کے باعث بہت کم دستیاب ہوسکا، قادرالکلام شعراء تھے۔ ان کی اکثر غزلیات مرصع ہیں۔ ایک ایک شعر میں بہت سی صنعتوں کا فنکارانہ استعمال ملتا ہے۔ ان لوگوں نے عربی، فارسی، لہندا، ملتانی، سندھی، کنٹری، تلگو اور سنسکرت جیسی بہت سی زبانوں سے اخذ و انتخاب کر کے اُردو کے دامن کو جس طرح مالا مال کیا۔ وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔

دکن کے شعراء نے دکنی تہذیب، رہن سہن، لباس و زیورات اور دکنی تمدن کے بہت سے اہم عناصر کی مصوری کی ہے خصوصاً دکنی غزل کا سرمایہ عورتوں کے ملبوسات اور زیورات سے خالی نہیں۔ صنفِ نازک کے پیکروں کو ان کی سج دھج اور جگمگاہٹ نے زیادہ پرکشش اور دلنواز بنا دیا ہے یہ زیبائش شعراء کے لئے جنتِ نگاہ بنی رہی ہے۔ سیّدہ جعفر لکھتی ہیں کہ:

> ''دکنی غزل میں جن زیورات کا بار بار ذکر کیا گیا ہے اِن میں کنٹھ مالا، کنگن، گل سری، گوش پارے، ٹھنس، بینا، جھنجھر، ہانس، حمائل، طرہ، چوسرا، کرن پھول، پھلجڑی، پیچن، جگنی، بازو بند، سہ لڑی، کنا موتی اور ناگ سر شامل ہیں۔''(۷)

دکنی غزلوں میں زیورات کا کثرت سے یہ بیان اِس کی وجہ سے بھی ہے کہ یہ ایک خوشحال خطہ تھا اور گولکنڈہ کے ہیرے سارے دُنیا میں مشہور تھے۔ دکنی غزل میں زیورات کا ذکر ملاحظہ ہو:

جھمکنا رات کوں جگنا پیاری رات دِن جھمکے
پیشانی پر رکھے جگنی کا ٹیکا کو نہ دیکھیا کوئی
ہلنا تیری نت کا منجے لگتا ہے جھمکے کا جھمک
جھنکار پنجن کی تیرے گھنگھرو کا کھل کھل بولنا
سکی تج ناک کی پلڑی کہ ہے یاقوت کا دانہ
کہ سب دانے بسر کر مین ہوا ادوانے تھے آباد
تیرے نین مین جو گھلتا ہے نازسون کاجل
سو ہے یقین وہ سحرِ حلال کا تعویذ

زیورات کے علاوہ دکنی غزل گوشعراء نے دکن کے لوگوں کے رہن سہن اور تہذیب وتمدن کے بارے میں بھی اشارے دیے ہیں۔ پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں کہ

> ''دکن کے غزل گوشعرا نے ہندوستان کے ماحول، یہاں کے سبزہ وگل، قدرتی مناظر، پھلوں، باغوں، نہروں اور سبزہ زاروں اور یہاں کی مجلسی زندگی کی بڑی اچھی مصوری کی ہے۔ دکنی شعرا کے یہاں ہندوستانی رنگ صرف زبان ہی میں نہیں جھلکتا بلکہ خیال اور سوچنے کے انداز میں بھی اس کا پَرتو نظر آتا ہے۔ یہ دراصل -- (محدود معنی میں) ایک طرح کا ادبی اجتہاد تھا۔ شعرا اور سلاطین نے فارسی کی نقالی کے بجائے گردوپیش کی ہندوستانی معاشرت کی عکاسی کی۔''(۸)

دکنی شعرا غزل میں اپنے ارضی محبوب کا نقشہ بڑی خوبصورتی سے کھینچتے ہیں۔ وہ اکثر جگہ تانیثیت کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت بعد کے دَور میں ناپید ہے۔ دکن کے غزل گوشعراء کے یہاں حسن اپنی جلوہ سامانیوں، اپنی کشش وجاذبیت اور اپنی صاعقہ پاشی کے ساتھ ساتھ اپنی حقیقی جنس میں بھی نمودار ہوتا ہے۔ دکنی شاعر محبوب کو گوری، سہیلی، گن بھری، سکی، نار، سودھن، موہنی سندری اور پیاری جیسے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ امثال ملاحظہ ہوں:

جانا تجھے جو دیکھت جگ چندبھری کہتے ہیں
کوئی حور پری کوئی، کوئی شبہ پری کہتے ہیں (حسن شوقیؔ)

بولیاں میں کئی دنوں سے تیری بندگی میں ہوں
بولی کہ خیر یونچہ کنک ماہ و سال بول (نصرتیؔ)

چندرسوں کہیا تو کہی منہ سنبال بول
سورج مکھی کہیا تو کہی یوں نہ گھال بول (عبداللہ قطب شاہ)

چھبیلی ہے تون پیاری بلبل ہے من ہمارا
کہ اُس بن نئیں ہمیں یک تل قرارا

دکنی غزل کا محبوب گوشت پوست کا ارضی محبوب ہے۔ جو سجتا سنورتا بھی ہے، ناز و انداز بھی دکھاتا ہے۔ عاشق سے ہم کلام بھی ہوتا ہے اور اس کے غلط رویے پر اُسے دھتکارتا بھی ہے۔ گویا دکن کے غزل گو شعراء نے حقیقی زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

دکنی غزل کے اوصاف میں ایک نمایاں وصف مسلسل غزل بھی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ سے لے کر ولی دکنی کے عہد تک متعدد مسلسل غزلیں کہی گئی ہیں۔ اِس سلسلے میں سب سے پہلے محمد قلی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جس کے دیوان میں مسلسل غزلوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ محمد قلی کے علاوہ شاہیؔ مسلسل غزل کا شاعر ہے۔ اس کی مسلسل غزل کے چند اشعار:

تج گال پر نگ کا نشان دستا ہے مج اُس دھات کا
روشن شفق میں جگمگے جیوں چاند پہلی رات کا
تج زُلف، مشکس دیکھ سانپاں تجے آن پان سب
تج لب کیری لالی انگلے لالاں سے سدگات کا
ابرو کماناں کھنچ کر مارے پلک کے تیرسوں
زخمی ہوا دِل کا حرم لاگیا نشان تج ہات کا

دکنی عہد کا نمائندہ اور آخر دور کا شاعر ولیؔ حسن پرست ہے۔ اُس کے کلام میں اُس کا محبوب جا بجا نظر آتا ہے۔ اگر چہ اِس کا محبوب سانولا سلونا ہے مگر وہ اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ ولی کی غزل میں جلوہ گر ہے۔ ولی نے غزل میں محبوب کی سراپا نگاری محبت میں ناز و انداز، لباس زیورات اور ہجر و وصال کے مناظر دکھائے ہیں۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

''ولی کی غزلوں میں حسنِ نسوانی کے مختلف پہلوؤں کا شدت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

انھوں نے جسم کی تعریف کی ہے۔ قد کو سراہا ہے۔ رُخساروں کی جھلکار کا رُ کا رُ کا تماشا دیکھا ہے۔ حسن و جمال کے بیان میں یہ سرخوشی اور سرمستی وؔلی کی غزل کو حواس کی شاعری میں تبدیل کر دیتی ہے اور حسی کیفیات کے اَن گنت پہلو اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آکر حواس میں ارتعاش کی کیفیت پیدا کرنے لگتے ہیں۔''(۹)

نمونہ کلام:

دونوں جہاں کو مست کرے ایک جام میں
آنکھوں کا تری عکس پڑے گر شراب میں
عجب کچھ لطف رہتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ
اے ولی دِل کو آب کرتی ہے
نگہ چشم سر مگیں کی ادا
اے رشکِ ماہتاب تو دِل کے صحن میں آ
فرصت نہیں ہے دن کو اگر توں رین میں آ

ولی دکنی اُردو کا پہلا شاعر ہے۔ جس نے غزل کے جملہ امکانات کا جائزہ لیا اور انہیں اپنی شاعری میں برتا۔ اُس نے اُردو غزل کو موضوع، زبان اندازِ بیاں اور ہیئت کے لحاظ سے مکمل روایت بخشی۔ اُس کے سامنے ایک طرف تو درباری غزل تھی۔ جس میں محبوب کا تصور عورت تک محدود اور دوسری روایت صوفی شعرا کے زیرِ اثر تھی۔ اس میں محبوب کا تصور خدا تک پہنچتا ہے یعنی عشق مجازی سے عشق حقیقی تک۔ تیسری صورت وہ ہے جس میں پہلی دونوں صورتوں کا امتزاج ملتا ہے۔ ولی دکنی سے پہلے کی غزل خام تھی۔ اس کے نقوش خدوخال واضح اور گہرے نہ ہو پائے تھے۔ اِس بارے ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی رائے اِن الفاظ میں دیتے ہیں:

''ولی سے پہلے کی غزل میں کسی گہرے تجربے، احساس یا حیات وکائنات کے شعور کا پتہ نہیں ملتا...... لے دے کے محمود اور حسن شوقی کے ہاں اس تصور میں تبدیلی کا احساس ہوتا ہے اور موضوعات کے اعتبار سے ذرا تنوع پیدا ہو جاتا ہے...... ولی نے اِس روایت کو اپنا کر اِس میں زندگی کے رنگا رنگ تجربات، تنوع اور داخلیت کو سمو کر غزل کے دائرے کو پوری زندگی پر پھیلا دِیا۔''(۱۰)

دکنی غزل میں جہاں طویل بحر میں غزلیں لکھی گئیں وہاں چھوٹی اور رواں بحروں کو بھی استعمال میں لاکر صاف اور رواں غزل نگاری کی روایت کا آغاز کیا۔ اِس حوالے سے غواصؔی کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

پیابن پیالا پیا جائے نا
پیا باج یک پل جیا جائے نا
کتے ہیں پیا بن صبوری کروں
کیا جائے جا کیا جائے نا
سجن میرا یوں مجھ سوں بیدل ہوا
ہر ایک تل مجھے یوں کیا جائے نا

اِسی طرح وؔلی کی بے شمار غزلیں چھوٹی چھوٹی بحروں میں ہیں مثلاً یہ غزل

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

دکنی غزل کا ایک وصف اور موضوع تصوف بھی ہے جو کہ برہان الدین جانؔم، امین الدین اعلؔی سے وؔلی دکنی کی غزلوں تک دکھائی دیتا ہے۔ وؔلی کے متصوفانہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ان نے پایا ہے منزلِ مقصود
عشق جن کا ہے ہادی و رہبر
شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

دکنی غزل گوشعراء نے اپنے کلام کو تشبیہات واستعارات سے مزین کیا۔

ترے دو نین ہیں مد مست متوال
ترے دو گال ہیں خوبی کے گلاں
ترے مکھ کی لٹاں نئیں ہیں کہ دو ناگ
سلیماں کی انگھوٹی کے ہیں رکھوال
بھواں تیریاں کوں کیوں لیکھے گا نقاش
کماں دو کھینچا ہے سخت اشکال (قلی قطب شاہ)

اچھیں نین اس کیں کالے منے
کہ مچھلیاں دو پنڑیاں ہیں جالے منے (ملاوجہی)

تج گال پر نگہ کا نشان دستا ہے مجہ اس بات کا
روشن شفق میں جگمگے جیوں چاند پہلی رات کا (شاہی)

دکنی غزل گو شعرا کے یہاں اس طرح کی تشبیہات دیکھ کر ڈاکٹر سیدہ جعفر کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ

''محبوب کی مست آنکھوں کی حرکت کو کنول کے پتے پر پانی کے قطروں کی حرکت سے تشبیہہ دینا، محبوب کے چہرے کو جو بَل کھاتی ہوئی لٹوں سے گھرا ہوا ہے، موجوں میں سورج کے عکس سے تشبیہہ دینا یا معشوق کو رقیب کے ساتھ دیکھ کر اس کو شکر کے کنکر سے تشبیہہ دینا یا آنکھوں کو چُلبلاتے سنپولے یا دوموُلے کہنا اور معشوق کے نرمل چہرے پر جُھکی ہوئی زلفوں کو پانی جُھکے ہوئے ناگ سے تشبیہہ دینا، عاشق کے دل کے لیے آٹے اور محبوب کے ظلم کے لیے چکی کا استعارہ استعمال کرنا ہندوستانی طرزِ معاشرت اور ہندوستانی اندازِ فکر کا ترجمان ہے۔''(۱۱)

ولی دکنی کا کلام خوبصورت تشبیہات و استعارات سے بھرا ہے۔ نیز دکنی غزل گو شعراء نے صنائع بدائع کو بھی بطریقِ احسن برتا۔ ان صنائع بدائع میں صنعتِ تکرار و تضاد کی بے شمار امثال دی جاسکتی ہیں۔

ترک لذت کی جس کوں ہے لذت
شکرؔ اس کو زہر، زہر شکرؔ (ولؔی)

دکنی غزل پر ابتداً مقامی رنگ غالب رہا بلکہ سچ تو یہ کہ عوامی لوک گیت کا اثر چھایا رہا۔ ڈاکٹر جاوید وششٹ لکھتے ہیں:

''دکنی غزل اِس کلیہ پر بھی مہرِ توثیق ثبت کرتی ہے کہ 'لوک گیت ہی شاعری کا باوا آدم ہے۔ دکنی غزل کی پیدائش سے قبل ہی ہندوی روایت نے ہندوستانی Folklore کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ اِس وجہ سے ہندوی روایت نے دکنی غزل کو لوک گیتوں کے عوامی اور انسانی مزاج سے براہِ راست وابستہ کر کے لوک ساہتیہ سے ہم آہنگ کر دیا۔ اِس طرح فرد اور سماج کا ہر نفسیاتی اور سماجی رُخ دکنی غزل میں پوری معصومیت کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ دکنی غزل کا عوامی ادب سے یہ تعلق خاص اِس کی اساس خصوصیت ہے اِس میں فوک لور کا رنگ، رس، روپ ہی ایک امتیازی شان پیدا کرتا ہے۔''(۱۲)

اسی فوک لور کے زیرِ اثر اُردو کی ابتدائی غزل میں نسائی انداز در آیا۔ لیکن اِس نسائی انداز کے باوجود غزلیات میں وہ ابتذال نہیں جو ریختی کا خاصا ہے۔ اظہارِ محبت اگر چہ ہندی شاعری کی طرز پر عورت کی زبانی ہے مگر اس میں بھی حسن ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہو:

کھانا برہ کیتی ہوں میں پانی انجھو پیتی ہوں میں
تج سے بچھڑ جیتی ہوں میں کیا سخت ہے دِل رے پیا (ملا وجہی)

اگر کوئی آ کے دیکھے تو دِل میں کیا کہے گا
مجھے بدنام کیا کرتے ہو۔ کہیں میں جاؤں گی چھوڑو
وفا گر مجھ کو دیتے ہو کروں گی گھر میں جادارو
اگر مجھ ہووے گی فرصت صبح پھر آؤنگی چھوڑ (میراں ہاشمی)

دکنی غزل میں مثنوی کی طرح سے فطرت نگاری بھی ملتی ہے۔ مظاہر قدرت، چاند، ستارے، سورج، پرند، پھل پھول، سب نظارے موجود ہیں۔

مثال ملاحظہ ہو:

مکھ پہ تیرے ہیں یو عرق بندے
پھول پھولے ہیں جیوں برشگالی
لال دو گال رنگ بھرے تیرے
عین جیوں نارنگیاں ہیں بنگالی

دکنی غزل، غزل کی روایت کے ابتدائی عہد، شعری زبان کی خام اور ناپختہ کیفیت اور ترسیل کے ناکافی وسیلوں اور ناتراشیدہ لفظیات کے باوجود دکنی شعراء نے صنائع بدائع سے بڑے سلیقے اور خوش اسلوبی سے کام لیا۔ ایک ایسے عہد میں جسے ہم شعروادب کا دورِ طفولیت کہہ سکتے ہیں۔ شعراء سے زبان و بیان کی لطافتوں، تخیل کی بلند پروازی یا فنی باریکیوں اور نزاکتوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اِس کے باوجود دکنی غزل گو شعراء نے جملہ وسائل شعری سے اپنے کلام کو مزین کیا۔ اِن کے کلام میں مقامیت کا رنگ بھی ہے اور ساتھ ساتھ گنگا جمنی روپ بھی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ابتدائی تحقیقات کی رو سے ماہ لقا چندا بائی کو اُردو کی اوّلین صاحبِ دیوان شاعرہ کہا گیا جس کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں مرتب ہوا۔ جو انڈیا آفس لندن کے کتب خانے سے دستیاب ہوا۔ بعد کی تحقیقات سے لطف النساء امتیاز کو اوّلین شاعرہ قرار دیا گیا جن کا دیوان ۱۲۱۳ھ (تقریباً ۱۷۹۶ء) میں مرتب ہوا اور کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن سے اِس کا قلمی نسخہ دستیاب ہوا۔ اُن کی مثنوی 'گلشنِ شعرا' سے حالاتِ زندگی معلوم ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: اُردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ از اشرف رفیع، مجلّہ عثمانیہ، ص ۱۸۴-۱۸۳)

۲۔ بیجا پور کے علاقے پر عادل شاہی سلطنت ۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۵ء، گولکنڈہ کے خطے پر قطب شاہی سلطنت ۱۵۱۲ء تا ۱۶۸۶ء اور احمد نگر کی سرزمین پر نظام شاہی سلطنت ۱۴۸۹ء تا ۱۶۳۳ء قائم رہی۔

۳۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، دکنی غزلیں، مشمولہ: مجلّہ عثمانیہ، دکنی ادب نمبر، ۶۴-۱۹۶۳ء، حیدر آباد دکن، جامعہ عثمانیہ، ص ۹۴-۹۵

۴۔ رفعت، مبارز الدین، سیّد، دکنی ادب کا ایک عظیم مرکز-بیجا پور، مشمولہ: مجلّہ عثمانیہ، ص ۶۹

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص ۸۲

۶۔ وقار خلیل، دکنی غزل گو شعراء کا جائزہ، مشمولہ: اُردو غزل (مرتبہ: کامل قریشی) لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۸۹ء، ص ۸

۷۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، دکنی غزلیں، ص ۹۵

۸۔ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی غزل کا پس منظر، مشمولہ: اُردو غزل (مرتبہ: کامل قریشی) ص ۱۸

۹۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ولی اورنگ آبادی، لاہور: ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۸۱ء، ص ۱۴۸

۱۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ص ۵۴۰

۱۱۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، دکنی غزلیں، ص ۱۰۱

۱۲۔ جاوید وششٹ ڈاکٹر، دکنی غزل-اُردو غزل، مرتبہ: کامل قریشی، ص ۶۱